رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا

یزید ابن معاویہ (رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث ثابت ہے!

محدثُ العصرِ وناصرُ السُّنّۃِ

حافظ ابو طاہر زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

معزز قارئین توجہ فرمائیں!

منہاج السنت ڈاٹ کام پر تمام ''پی ڈی ایف ''کتب قارئین کے مطالعے اور دعوتی و اصلاحی مقاصد کے لئے اپلوڈ کی جاتی ہیں۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی سخت ممانعت ہے، اور ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی ، قانونی و شرعی جرم ہے۔

منہاج السنت النبویہ ﷺ لائبریری ٹیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو بدلنے والا

یزید بن معاویہ (رضی اللہ عنہ)

یہ حدیث ثابت ہے!

محدث العصر وناصر السنۃ

حافظ ابو طاہر زبیر علی زئی رحمہ اللہ

حافظ زبیر علی زئی

رسول اللہ ﷺ کی سنت کو بدلنے والا: یزید، یہ حدیث ثابت ہے

حافظ ابن عساکر الدمشقی (م ۵۷۱ھ) نے لکھا ہے:

" أخبرنا أبو سهل محمد بن إبراهيم :أنا أبو الفضل الرازي :أنا جعفر بن عبد الله :نا محمد بن هارون :نا محمد بن بشار :نا عبد الوهاب :نا عوف: ثنا مهاجر أبو مخلد :حدثني أبو العالية :حدثني أبو مسلم قال :غزا يزيد ابن أبي سفيان بالناس فغنموا فوقعت جارية نفيسة في سهم رجل ، فاغتصبها يزيد، فأتى الرجل أبا ذر فاستعان به عليه فقال له :ردّ على الرجل جاريته ، فتلكأ عليه ثلاثًا، فقال:إني فعلت ذاك لقد سمعت رسول الله ﷺ يقول:((أوّل من يبدّل سنتي رجل من بني أمية ، يقال له يزيد.)) فقال له يزيد بن أبي سفيان:نشدتك بالله أنا منهم ؟ قال:لا. قال :فردّ على الرجل جاريته." ابومسلم (الجذمی رحمہ اللہ) نے فرمایا: یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) نے لوگوں کے ساتھ مل کر (ایک) جہاد کیا پھر انھیں مالِ غنیمت حاصل ہوا تو ایک آدمی کے حصے میں ایک بہترین قیمتی لونڈی آئی۔ پھر اس لونڈی کو یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) نے اپنے قبضے میں لے لیا تو وہ آدمی ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے پاس آیا اور اُن کے خلاف تعاون کرنے کی درخواست کی۔ پھر انھوں (ابوذر رضی اللہ عنہ) نے اُن (یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: اس آدمی کو اُس کی لونڈی واپس دے دو۔ تو انھوں نے تین دفعہ عذر پیش کیا پھر (ابوذر رضی اللہ عنہ نے) فرمایا: میں نے یہ اس لئے کیا ہے، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میری سنت کو سب سے پہلے بنواُمیہ کا ایک آدمی تبدیل کرے گا جسے یزید کہا جائے گا۔

یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) نے اُن (سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: اللہ کی قسم! کیا میں وہ آدمی ہوں؟ انھوں نے فرمایا: نہیں۔

پھر انھوں (یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) نے اس لونڈی کو واپس کر دیا۔

(تاریخ دمشق ۶۵/ ۲۴۹۔۲۵۰)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے اور راویوں کا تعارف درج ذیل ہے:

۱: ابو سہل محمد بن ابراہیم بن محمد بن سعدویہ الاصبہانی رحمہ اللہ (م ۵۳۰ھ)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " الثقة العالم ...صالح خيّر صدوق مكثر "

(سیر اعلام النبلاء ۲۰/ ۴۷)

ابن الجوزی نے فرمایا: " و كان حسن السيرة ثقة ثبتًا، ذكره شيخنا أبو الفضل ابن ناصر و أثنى عليه ." (المنتظم ۱۷/ ۳۱۶ ت ۴۰۱۵)

ابوسعد عبدالکریم بن محمد بن منصور السمعانی نے فرمایا: " شيخ أمين، ديّن صالح، ثقة صدوق، حسن السيرة ، كثير السماع... و من مسموعاته كتاب المسند لأبي بكر محمد بن هارون الروياني بروايته عن أبي الفضل الرازي عن أبي القاسم ابن فناكي عنه ." (المنتخب من معجم الشیوخ ۳/ ۱۳۵۲۔۱۳۵۳ ت ۸۸۹)

۲: ابوالفضل عبدالرحمٰن بن احمد بن الحسن بن بندار المقرئ الرازی رحمہ اللہ (م ۴۵۴ھ)

عبدالغافر بن اسماعیل الفارسی نے فرمایا: " ثقة فاضل ، إمام فى القراء ات ، أوحد في طريقته ." (الحلقۃ الاولیٰ من تاریخ نیسابور، المنتخب من السیاق ص ۴۷۸ ت ۱۰۱۴)

ذہبی نے فرمایا: " الإمام القدوة ، شيخ الإسلام " (النبلاء ۱۸/ ۱۳۵)

اور فرمایا: " الزاهد الإمام " (تاریخ الاسلام ۳۰/ ۳۶۱ ت ۱۱۳)

یحییٰ بن مندہ نے اپنی تاریخ میں فرمایا: "ثقة ورع متدين عارف بالقراء ات و الروايات عالم بالأدب والنحو وهو مع هذا أكبر من أن يدل عليه مثلي وهو أشهر من الشمس و أضوأ من القمر، ذوالفنون من العلم۔ رحمه اللّٰه۔ وكان شيخًا مهيبًا منظورًا فصيح اللسان حسن الطريقة كبيرالوزن ."

(بحوالہ التقیید لابن نقطۃ ۲/ ۸۴ ت ۴۰۳)

۳: ابوالقاسم جعفر بن عبداللہ بن یعقوب بن الفنا کی الرازی رحمہ اللہ (م ۳۸۳ھ)
ابویعلیٰ الخلیلی نے فرمایا: "موصوف بالعدالة و حسن الديانة."

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/ ۶۹۱ ت ۴۶۲)

ضیاء مقدسی نے اُن کی کئی احادیث المختارۃ میں بیان کیں۔

(مثلاً دیکھئے المختارۃ ۲/ ۳۵۳ ح ۷۳۵)

وہ مسند الرویانی کے بنیادی راوی ہیں اور ایک جماعت نے ان سے روایت بیان کی ہے۔
حافظ ذہبی نے اُن کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں فرمایا:

"وهذا إسناد صحيح" (تاریخ الاسلام ۲۷/ ۶۱)

تین ائمہ کی اس تعریف وتوثیق کے بعد جعفر بن عبداللہ کے بارے میں اعدل الاقوال یہی ہے کہ وہ ثقہ وصدوق ہیں۔

اس توثیق کے بعد بھی اگر کوئی شخص بضد ہے کہ "جعفر بن عبداللہ کے حافظہ وضبط کے بارہ میں کوئی دلیل مجھے نہیں ملی البتہ ..." تو ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو فہم سلیم اور حافظہ وضبط عطا فرمائے۔ آمین

۴: ابوبکر محمد بن ہارون الرویانی رحمہ اللہ (م ۳۰۷ھ)
حافظ خلیلی نے فرمایا: "ثقة" (الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۲/ ۸۰۱ ت ۶۹۹)

حافظ ذہبی نے فرمایا: "الإمام الحافظ الثقة .. صاحب المسند المشهور"

(النبلاء ۱۴/ ۵۰۷ ت ۲۸۴)

محمد بن عبدالغنی البغدادی یعنی ابن نقطہ نے فرمایا: "ثقة إمام" (تکملۃ الاکمال ۲/ ۴۸۷ ت ۲۶۵۳)

۵: ابوبکر محمد بن بشار بن عثمان العبدی عرف بندار رحمہ اللہ (م ۲۵۲ھ)
آپ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے بنیادی راوی ہیں۔
انھیں امام عجلی اور جمہور نے ثقہ وصحیح الحدیث قرار دیا۔ حافظ ابن حجر نے فرمایا: "ثقة"

(تقریب التہذیب: ۵۷۵۴)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " ثقة صدوق ... " إلخ (میزان الاعتدال ۳/۲۹۰ ت ۲۶۹ ۷)

ان پر امام ابو حفص عمرو بن علی الفلاس وغیرہ کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

۶: ابو محمد عبدالوہاب بن عبدالمجید بن الصلت الثقفی البصری رحمہ اللہ (م ۱۹۴ھ)

آپ صحیح البخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں۔

عبدالوہاب الثقفی رحمہ اللہ (م ۱۹۴ھ) کی توثیق درج ذیل ہے:

۱: بخاری (احتج به فی صحیحه)

۲: مسلم (احتج به فی صحیحه)

۳: یحییٰ بن معین نے فرمایا: " ثقة "

(کتاب العلل ومعرفۃ الرجال لعبداللہ بن احمد ۳/۳۲ فقرہ: ۴۰۳۵، تاریخ عثمان بن سعید الدارمی: ۶۲ وغیرہما)

۴: ایوب السختیانی نے فرمایا: اس نوجوان عبدالوہاب الثقفی کے ساتھ ہمیشہ وابستہ رہو۔

(تاریخ بغداد ۱۱/۱۹ ت ۵۶۸۷ وسندہ صحیح ولفظہ: الزموا هذا الفتی عبد الوهاب الثقفي)

۵: عجلی نے فرمایا: " ثقة " (التاریخ: ۱۱۴۷)

۶: ابن خزیمہ (احتج به فی صحیحه)

۷: ابن حبان (ذکرہ فی الثقات ۷/۱۳۲۔۱۳۳، واحتج به فی صحیحه)

۸: علی بن عبداللہ المدینی نے فرمایا: " لیس فی الدنیا کتاب عن یحیی أصح من کتاب عبد الوهاب ... " دنیا میں یحییٰ (بن سعید) سے عبدالوہاب (ثقفی) کی کتاب سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔ (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۱/۶۵۰)

۹: امام شافعی نے فرمایا: " وهو ثقة "

(کتاب الام ج ۱ ص ۲۶۳، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۰/۱۷۰ ح ۲۰۶۵۳)

۱۰: بیہقی نے فرمایا: " وهو من الثقات " (السنن الکبریٰ ۱۰/۱۶۹ ح ۲۰۶۵۳)

۱۱: ترمذی (صحح لہ: ۲۰، ۲۲۷۰ وغیرہما)

۱۲: ابن الجارود (روی لہ فی المنتقیٰ: ۸۷، ۲۹۷، ۳۰۱)

۱۳: دارقطنی (صحح لہ ۳/ ۲۲۲۔۲۲۳ ح ۳۴۸۴)

۱۴: حاکم (صحح لہ ۳/ ۴۰۸ ح ۵۷۲۹ ووافقہ الذہبی)

۱۵: ذہبی (ایضاً) نیز فرمایا: " هو الإمام الأنبل الحافظ الحجة " (النبلاء ۹/ ۲۳۷)

اورتذکرۃ الحفاظ میں انھیں ذکر کرکے فرمایا: " كان ثقة سرياً جليل القدر "

(۱/ ۳۲۱ ت ۳۰۰)

حافظ ذہبی کا کلام آگے بھی آرہا ہے۔ (ص ۷۔۸)

۱۶: ابوعوانہ (روی لہ فی مستخرجہ)

۱۷: بغوی (صحح لہ فی شرح السنۃ ۱/ ۴۶۰ ح ۲۳۷)

۱۸: ابونعیم الاصبہانی (روی لہ فی مستخرجہ)

۱۹: ابن عساکر (صحح لہ فی معجم شیوخہ ۱/ ۱۰۲۔۱۰۳ ح ۱۰۸)

۲۰: الضیاء المقدسی (احتج بہ فی المختارۃ)

۲۱: امام قتیبہ بن سعید الثقفی نے فرمایا: " ما رأيت مثل هؤ لاء الفقهاء الأشراف الأربعة: مالك بن أنس والليث بن سعد و عباد بن عباد المهلبي و عبد الوهاب الثقفي. " میں نے ان چار معزز فقہاء جیسا کوئی نہیں دیکھا: مالک، لیث بن سعد، عباد بن عباد اور عبدالوہاب ثقفی۔ (سنن ترمذی: ۲۶۱۱)

۲۲: حافظ ابن حجر نے فرمایا: " أحد الأثبات " وہ ثقہ راویوں میں سے ایک ہیں۔

(ہدی الساری ص ۴۲۲)

اور فرمایا: " ثقة ، تغير قبل موته بثلاث سنين. " (تقریب التہذیب: ۲۴۶۱)

۲۳: امام احمد بن حنبل نے اُن سے روایت بیان کی اور حافظ ابن حجر نے محمد بن الحسن بن آتش الیمانی پر امام نسائی کی جرح کا درج ذیل جواب دیا: " و كلام النسائي فيه غير مقبول لأن أحمد و علي ابن المديني لا يرويان إلا عن مقبول مع قول أحمد

بن صالح فيه . " اور اُن کے بارے میں نسائی کا کلام مقبول نہیں کیونکہ احمد اور علی بن المدینی دونوں صرف مقبول (یعنی اپنے نزدیک ثقہ) سے ہی روایت بیان کرتے تھے، اس کے ساتھ ان کے بارے میں احمد بن صالح کا قول بھی ہے۔ (تہذیب التہذیب ۳/۵۴۰)

۲۴: اُن سے علی بن المدینی نے روایت بیان کی۔ نیز دیکھئے فقرہ سابقہ: ۲۳

۲۵: عبدالکریم بن محمد بن منصور التمیمی السمعانی (م ۵۶۲ھ) نے فرمایا:

" و كان من الثقات و كان صحيح الكتاب ثقة صدوقًا ، قيل إنه اختلط في آخر عمره قبل موته بثلاث سنين . " (الانساب ۱/۵۰۹، الثقفی)

۲۶: ابن ناصرالدین الدمشقی نے فرمایا: " وكان من الحفاظ الأثبات المتقنين مع سخائه و كثرت نفقاته على الطالبين . " (التبیان لبدیعۃ البیان ۱/۴۸۷ رقم: ۲۷۷)

۲۷: ابن الجوزی نے فرمایا: " و كان ثقة إلا أنه اختلط في آخر عمره. "
(المنتظم ۱۰/۹ ت ۱۰۶۴)

۲۸: خلیلی نے انھیں ثقات (ثقہ راویوں) میں شامل کیا۔

(الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث ۱/۲۰۷ ت ۳۳)

۲۹: ابن عبدالہادی (م ۷۴۴ھ) نے فرمایا: " الإمام الحافظ ... كان ثبتًا سرّيًا جليل القدر . " (طبقات علماء الحدیث ۱/۴۶۳ ت ۲۸۱)

۳۰: ابن الاثیر الجزری (م ۶۳۰ھ) نے فرمایا: " و كان ثقة واختلط قبل موته بثلاث سنين " (اللباب فی تہذیب الانساب ۱/۱۶۵)

اس جم غفیر اور جمہور علمائے حدیث وسلف صالحین کے مقابلے میں درج ذیل جرح موجود ہے:

۱: ابن سعد نے کہا: " و كان ثقة و فيه ضعف " (طبقات ابن سعد ۷/۲۸۹)

۲: عقیلی (ذکرہ فی کتاب الضعفاء و) قال: " تغير في آخر عمره . "

(کتاب الضعفاء طبعہ جدیدہ ۳/۵۶۰ ت ۱۰۴۵، وطبعات قدیمہ)

یہ جرح دو وجہ سے مردود ہے:

ا: یہ جمہور محدثین کے خلاف ہے اور جمہور کی توثیق کے خلاف (تعارض وعدم تطبیق کی صورت میں) ہر جرح مردود ہوتی ہے۔

۲: اس جرح کا تعلق اختلاط سے ہے۔

حافظ ابن حجر نے ابن سعد کی جرح کے بارے میں لکھا ہے:

" **قلت :عنى بذلك ما نقم عليه من الاختلاط.. والظاهر أنه إنما أخرج له عمن سمع منه قبل اختلاطه كعمرو بن علي وغيره ...** "

میں نے کہا: اس (ابن سعد) کی اس سے مراد اختلاط والی جرح ہے...اور ظاہر یہ ہے کہ انھوں (بخاری) نے ان (عبدالوہاب ثقفی) سے ان لوگوں کی روایات بیان کی ہیں جنھوں نے ان کے اختلاط سے پہلے سنا تھا مثلاً عمرو بن علی وغیرہ۔الخ (ہدی الساری ص ۴۲۲۔۴۲۳)

ہم نے اس مضمون میں ثابت کر دیا ہے کہ محمد بن بشار کا عبدالوہاب ثقفی سے سماع اُن کے اختلاط سے پہلے کا ہے لہٰذا اختلاط کا اعتراض سرے سے مردود ہے۔

بعض معاصرین کا یہ کہنا کہ ''اور ابن سعد رحمہ اللہ کی جرح اختلاط سے متعلق نہیں بلکہ فیہ ضعف کی مطلق جرح ہے'' حافظ ابن حجر کی صراحت اور جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

یہاں بطورِ فائدہ عرض ہے کہ ابن سعد پر امام یحییٰ بن معین کی جرح: ''کذب'' جمہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے مردود ہے اور ابن سعد صدوق موثق عند الجمہور ہیں۔

عقیلی کی جرح کا تعلق بھی اختلاط سے ہے، جس کا جواب گزر چکا ہے۔

حافظ ابن حجر نے فرمایا: " **ثقة تغيّر قبل موته بثلاث سنين** "

(دیکھئے فقرہ سابقہ: ۲۲ص ۵)

حافظ ذہبی نے فرمایا: " **فثقة مشهور** " (میزان الاعتدال ۲/۶۸۰ ت ۵۳۲۱)

حافظ ذہبی نے اُن کے ساتھ " صــــــح" کی علامت لکھی اور حافظ ذہبی کے نزدیک اس

علامت کا یہ مطلب ہے کہ اُن کی توثیق راجح ہے اور جرح مردود ہے۔

(دیکھئے لسان المیزان ۲/ ۱۵۹، دوسرا نسخہ ۲/ ۲۸۹، تحقیقی مقالات ۳/ ۱۸۲۔۱۸۳)

اگر کوئی کہے کہ عبدالوہاب الثقفی ثقہ تو ہیں لیکن آخری عمر میں انھیں اختلاط ہو گیا تھا تو اس اعتراض کے دو جواب ہیں:

(۱) حافظ ذہبی نے فرمایا: " لکنه ماضرّ تغیره حدیثه فإنه ما حدّث بحدیث في زمن التغیر. " لیکن آپ کی حدیث کو اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ آپ نے زمانۂ اختلاط (یا زمانۂ تغیر) میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (میزان الاعتدال ۲/ ۶۸۱)

نیز فرمایا: " لکن ما ضره تغیره فإنه لم یحدث زمن التغیر بشيءٍ. "

لیکن انھیں اختلاط نے کوئی نقصان نہیں پہنچایا، کیونکہ انھوں نے زمانۂ اختلاط میں کوئی حدیث بیان نہیں کی۔ (سیر اعلام النبلاء ۹/ ۲۳۹)

(۲) عبدالوہاب الثقفی رحمہ اللہ سے یہ حدیث امام محمد بن بشار رحمہ اللہ نے بیان کی ہے اور ابن بشار کی ثقفی سے روایات صحیح بخاری (۷۱، ۳۷۲، ۹۷۲، ۲۰۹۷، ۲۱۶۲، ۲۶۳۴) اور صحیح مسلم (۱۲۰۸[۲۹۰۵]، ۲۵۱۵[۶۴۳۲]) وغیرہما میں موجود ہیں۔

(نیز دیکھئے الکواکب النیرات ص ۳۱۹)

ابن الصلاح نے فرمایا: " واعلم أن من کان من هذا القبیل محتجًا بروایته في الصحیحین أو أحدهما فإنا نعرف علی الجملة أن ذلك مما تمیز و کان مأخوذًا عنه قبل الاختلاط والله أعلم. "

اور جان لے کہ اس قسم کے جن راویوں سے صحیحین یا صحیحین کی کسی ایک کتاب میں بطورِ حجت روایت لی گئی ہے تو ہم عمومی طور پر یہ جانتے ہیں کہ ان روایتوں کو علیحدہ کر دیا گیا ہے اور یہ اس راوی کے اختلاط سے پہلے کی ہیں۔ واللہ اعلم (مقدمۃ ابن الصلاح ص ۴۶۶ نوع: ۶۲)

اس سے معلوم ہوا کہ جس مختلط راوی سے صحیحین میں روایت بطورِ استدلال موجود ہو تو یہ اس کے اختلاط سے پہلے کی ہوتی ہے اِلا یہ کہ کسی خاص راوی کے بارے میں کوئی خاص

دلیل ثابت ہو جائے تو اسے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔

چونکہ یہاں مقابلے میں کوئی خاص دلیل موجود نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حدیث امام عبدالوہاب الثقفی کے اختلاط سے پہلے کی ہے۔

اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ یہ حدیث صرف عبدالوہاب نے متصلاً بیان کی ہے اور دوسرے دو ثقہ راویوں (ہوذہ بن خلیفہ اور معاذ بن معاذ العنبری) نے اس طرح بیان نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالوہاب ثقہ ہیں اور ثقہ کی زیادت (اگر اوثق کے مخالف نہ ہو تو) مقبول ہوتی ہے۔ یہاں یہ زیادت کسی ثقہ یا اوثق راوی کے بھی خلاف نہیں اور بعض راویوں کا متصل روایت بیان نہ کرنا ہرگز مخالفت نہیں ہوتی، ورنہ اس باطل اعتراض کی رو سے صحیحین کی بعض روایات اور دیگر احادیث صحیحہ کو بھی ضعیف قرار دیا جا سکتا ہے جو کہ اصلاً باطل و مردود ہے۔

مثال نمبر ا: امام بخاری رحمہ اللہ نے ''**عيسى بن يونس عن هشام (بن عروة) عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها**'' کی سند سے ایک حدیث بیان کی:

''**كان رسول الله ﷺ يقبل الهدية و يثيب عليها.**''

رسول اللہ ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کے بدلے میں ہدیہ دیتے تھے۔

یہ حدیث بیان کرنے کے بعد امام بخاری نے فرمایا:

''**لم يذكر وكيع و محاضر: عن هشام عن أبيه عن عائشة**'' وکیع اور محاضر نے (اس سند میں) عروہ کے بعد عن عائشہ کا واسطہ بیان نہیں کیا۔ (صحیح بخاری: ۲۵۸۵)

وکیع بن الجراح کی مرسل روایت کے لئے دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ (۶/۵۵۲ ح ۲۱۹۶۵)

امام یحییٰ بن معین نے فرمایا: ''**و الناس يحدّثون به مرسلاً.**'' اور لوگ (عیسیٰ بن یونس کے علاوہ) اسے مرسل بیان کرتے ہیں۔ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۲۹۷۳، نیز دیکھئے: ۱۱۳۸)

امام ترمذی نے فرمایا: ہم اسے صرف عیسیٰ بن یونس عن ہشام کی سند سے ہی مرفوع (یعنی متصل) جانتے ہیں۔ (سنن الترمذی: ۱۹۵۳، وقال: حسن صحیح غریب)

دارقطنی نے اسے الالزامات والتتبع میں ذکر کیا۔ (ص ۳۴۳ ح ۱۸۵)

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک ثقہ راوی کی زیادت مقبول ہوتی ہے اور دو ثقہ راویوں کا روایت مذکورہ کو مرسل بیان کرنا اُن کے نزدیک ضعف کی دلیل نہیں۔

مثال نمبر ۲: علی بن حفص المدائنی نے ''شعبة عن خبیب بن عبد الرحمن عن حفص بن عاصم عن أبي هريرة '' رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک حدیث بیان کی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' كفى بالمرء كذبًا أن يحدّث بكل ما سمع . ''

آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ہر سنی سنائی بات بیان کرتا رہے۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۸۔۹ ح ۵ ترقیم دارالسلام: ۷)

امام ابوداود نے فرمایا: اسے اس شیخ یعنی علی بن حفص المدائنی کے علاوہ کسی نے مسند (یعنی متصل سند کے ساتھ) روایت نہیں کیا۔ (سنن ابی داود: ۴۹۹۲)

امام دارقطنی نے فرمایا: '' هذا حديث رواه غندر و ابن أبي عدي وغيرهما عن شعبة مرسلاً لم يذكروا فيه أبا هريرة و ذكره علي بن حفص المدائني وغيره أثبت منه . '' اسے غندر اور ابن ابی عدی وغیرہما نے شعبہ سے مرسل بیان کیا ہے، انھوں نے ابوہریرہ کا (سند میں) ذکر نہیں کیا، ان کا ذکر علی بن حفص المدائنی نے کیا ہے اور دوسرے اس سے زیادہ ثقہ ہیں۔ (تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان ص ۴۱)

شعبہ سے مرسل روایات درج ذیل ہیں:

۱: عبدالرحمٰن بن مہدی (صحیح مسلم والزھد للامام احمد: ۲۴۹)

۲: معاذ العنبری (صحیح مسلم)

۳: حفص بن عمر (سنن ابی داود والمستدرک ۱/۱۱۲ ح ۳۸۲)

۴: سلیمان بن حرب (المستدرک للحاکم ۱/۱۱۲ ح ۳۸۲)

۵: وھب بن جریر (البحر الزخار ۱۵/۲۰ ح ۸۲۰۱)

۶: محمد بن جعفر (مسند الشہاب ۲/ ۳۰۵ ح ۱۴۱۶)

۷: ابواسامہ (مصنف ابن ابی شیبہ نسخہ عوامہ ۱۳/ک ۱۵۷۔۱۵۸ ح ۲۶۱۳۱)

دوسرے نسخوں میں اس حدیث میں تحریفات ہیں مثلاً حمد بن عبداللہ اور محمد بن ابراہیم اللحیدان (مکتبۃ الرشد الریاض) کے نسخے میں ''أبو اسامة عن سعيد قال حدثني خبيب عن حفص بن عاصم عن أبي هريرة'' چھپ گیا ہے۔

(ج ۸ ص ۴۲۸ ح ۲۶۰۱۰)

حالانکہ خود انھوں نے حاشیے میں بعض نسخوں سے شعبہ کا حوالہ لکھا ہے۔

دوسرے یہ کہ امام ابن ابی شیبہ کی سند سے جس سے بھی یہ حدیث متصل بیان کی ہے، اس میں علی بن حفص کا واسطہ ہے۔

ان سات (۷) ثقہ راویوں کے مقابلے میں علی بن حفص ثقہ وصدوق نے یہ روایت متصل بیان کی اور زیادتِ ثقہ مقبولہ کے اصول سے علی بن حفص کی یہ حدیث صحیح ہے۔ والحمدللہ

زیادت ثقہ کی مقبولیت پر تحقیقی مقالات (ج ۲ ص ۲۴۸۔۲۶۰) سے دس مزید حوالے بعض اصلاح اور کمی بیشی کے ساتھ پیشِ خدمت ہیں:

ثقہ راوی کی زیادت کی مناسبت سے دس مثالیں پیشِ خدمت ہیں جن سے ہمارے مؤقف کی زبردست تائید ہوتی ہے کہ شرطِ مذکور کے ساتھ زیادتِ ثقہ مقبول ہے:

مثال اول: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا:

''ثنا يحي بن سعيد عن سفيان: حدثني سماك عن قبيصة بن هلب عن أبيه قال: رأيت النبي ﷺ ينصرف عن يمينه وعن شماله ورأيته يضع هٰذه علٰى صدره / وصف يحي اليمنٰى على اليسرىٰ فوق المفصل''

ہلب الطائی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کو (نماز سے فارغ ہوکر) دائیں اور بائیں (دونوں) طرف سلام پھیرتے ہوئے دیکھا ہے اور دیکھا ہے کہ آپ یہ (ہاتھ) اپنے سینے پر رکھتے تھے۔ یحییٰ (القطان راوی) نے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر جوڑ پر رکھ کر (عملاً) بتایا۔ (مسند احمد ۵/۲۲۶ ح ۲۲۳۱۳ وسندہ حسن والتحقیق لابن الجوزی ۱/۲۸۳)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

دیکھئے میری کتاب ''نماز میں ہاتھ باندھنے کا حکم اور مقام'' (ص ۱۴۔۱۶)

آلِ تقلید میں سے محمد بن علی النیموی صاحب نے یہ اعتراض کیا ہے کہ اسے وکیع اور عبدالرحمٰن بن مہدی نے ''علٰی صدرہ'' کے بغیر روایت کیا ہے۔ابوالاحوص اور شریک نے اسے اس زیادت کے بغیر بیان کیا ہے (لہٰذا) یہ (زیادت) محفوظ نہیں ہے۔

دیکھئے آثار السنن (ص ۱۴۴ ح ۳۲۶)

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ نے اس مسئلے میں نیموی صاحب کا زبردست اور مضبوط رد کیا ہے۔دیکھئے ابکار المنن (ص ۱۱۳،۱۱۴)

خلاصہ یہ کہ اس روایت میں علٰی صدرہ کا اضافہ صرف مسند احمد میں ہے اور دوسری کتابوں مثلاً سنن ترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن دارقطنی وغیرہ میں یہ اضافہ نہیں ہے تو کیا اس زیادت کو رد کر دیا جائے گا!؟

ثقہ راوی کے اس تفرد والی روایت کے بارے میں مولانا شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وإسنادہ حسن'' اور اس کی سند حسن ہے۔ (التعلیق المغنی ۱/۲۸۵)

نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی صریح دلیلوں میں یہ سب سے قوی دلیل ہے۔

صحیح ابن خزیمہ (۱/۲۴۳ ح ۴۷۹) میں ''مؤمل بن إسماعیل :نا سفیان عن عاصم ابن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر'' رضی اللہ عنہ کی سند سے ایک روایت میں علٰی صدرہ آیا ہے۔اس زیادت کو بھی نیموی صاحب نے غیر محفوظ قرار دیا ہے کیونکہ اسے مؤمل بن اسماعیل کے علاوہ کسی نے بھی اس سند ومتن سے بیان نہیں کیا اور دوسرے راویوں نے اسے اس اضافے کے بغیر روایت کیا ہے مثلاً عبداللہ بن الولید عن سفیان الثوری، زائدہ وبشر بن المفضل وغیرہما عن عاصم بن کلیب ...الخ (دیکھئے آثار السنن ص ۱۴۰،۱۴۱ ح ۳۲۵)

ہمارے نزدیک مؤمل بن اسماعیل تحقیقِ راجح میں موثق عند الجمہور اور حسن الحدیث ہیں۔

دیکھئے میری کتاب مقالات جلد اول (ص ۴۱۷۔۴۲۷) اور ماہنامہ الحدیث حضرو: ۱۱ ص ۱۸

لہٰذا اُن کا امام سفیان ثوری سے تفرد یہاں مضر نہیں ہے مگر سفیان ثوری رحمہ اللہ کی تدلیس (عن) کی وجہ سے یہ روایت ہمارے نزدیک ضعیف ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: اس حدیث کو امام ابن خزیمہ کا کسی جرح کے بغیر صحیح ابن خزیمہ میں درج کرنا اس کی دلیل ہے کہ اُن کے نزدیک متنِ حدیث میں ثقہ وصدوق راوی کی زیادت صحیح ومقبول ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: حنفی، بریلوی اور دیوبندی (تینوں) حضرات میں سے جو لوگ ضعیف یا حسن لغیرہ روایات کو بھی حجت سمجھتے ہیں اُن کے اصول پر سینے پر ہاتھ باندھنے والی روایت تو حسن لغیرہ بن جاتی ہے۔ سیدنا ہلب رضی اللہ عنہ والی روایت، مؤمل بن اسماعیل والی روایت اور امام طاوس رحمہ اللہ کی مرسل، لیکن پھر بھی وہ اسے حسن و حجت نہیں سمجھتے جو اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لوگ حسن لغیرہ کو حجت سمجھنے کے خلاف ہیں۔

یہ اعتراض آلِ تقلید کے خلاف بطورِ الزام ذکر کیا گیا ہے جو ان کے لئے ''پھکی'' ہے۔

مثال دوم: ابو ابراہیم محمد بن یحییٰ الصفار فرماتے ہیں:

" ثنا عثمان بن عمر عن یونس عن الزهري عن محمود بن الربیع عن عبادة ابن الصامت قال قال رسول الله ﷺ :

((لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب خلف الإمام .)) "

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں جس نے امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

(کتاب القراءت للبیہقی ص ۷۰ ح ۱۳۵، وقال: وھذا اسناد صحیح والزیادۃ التی فیہ کالزیادۃ فی حدیث مکحول ....الخ)

اس روایت کو عثمان بن عمر سے خلف الامام کے اضافے کے بغیر امام دارمی (۲۸۳/۱ ح ۱۲۴۵، دوسرا نسخہ: ۱۲۷۸) نے بیان کیا ہے۔

یونس بن یزید سے اس حدیث کو خلف الامام کی زیادت کے بغیر لیث بن سعد، عبداللہ بن وہب (جزء القراءۃ للبخاری بتحقیقی: ۶، صحیح مسلم: ۳۹۴، ترقیم دارالسلام: ۸۷۵) نے بیان کیا ہے۔

یونس بن یزید الایلی کے علاوہ امام زہری سے اسے ایک جماعت مثلاً سفیان بن عیینہ، صالح بن کیسان اور معمر بن راشد نے خلف الامام کے اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔
دیکھئے صحیحین وغیرہما اور المسند الجامع (۸/۶۲۲، ۶۲۳)
محمد بن یحییٰ الصفار (راوی) کے زبردست تفرد والی اس روایت کے بارے میں امام بیہقی نے فرمایا: اس کی سند صحیح ہے۔ (حوالہ سابقہ صفحے پر گزر چکا ہے۔)

مثال سوم: یونس بن یزید الأیلي عن ابن شهاب الزهري عن نافع مولٰی أبي قتادة الأنصاري عن أبي هريرة رضي الله عنه کی سند سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((کیف أنتم إذا نزل ابن مریم فیکم و إما مکم منکم .))
تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب عیسٰی بن مریم تم میں نازل ہوں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ (صحیح بخاری: ۳۴۴۹، صحیح مسلم: ۱۵۵)
اسے یونس بن یزید سے اس مفہوم کے ساتھ ابن بکیر اور عبداللہ بن وہب نے روایت کیا ہے۔ یونس کے علاوہ معمر، عُقیل بن خالد، اوزاعی، ابن اخی الزہری اور ابن ابی ذئب نے یہ روایت اسی مفہوم کے ساتھ اور من السماء کے اضافے کے بغیر روایت کی ہے۔
دیکھئے میری کتاب تحقیقی مقالات (ج ا ص ۱۰۳)
یہی روایت امام بیہقی نے احمد بن ابراہیم عن ابن بکیر عن یونس بن یزید عن ابن شهاب عن نافع عن أبي هريرة کی سند کے ساتھ درج ذیل الفاظ سے بیان کی ہے: ((کیف أنتم إذا نزل ابن مریم من السماء فیکم و إما مکم منکم .))
تمھارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم آسمان سے اتریں گے اور تمھارا امام تم میں سے ہوگا۔ (الاسماء والصفات ص ۵۳۵، دوسرا نسخہ ص ۴۲۴، تیسرا نسخہ ص ۳۰۱)
چونکہ صحیحین میں مدلسین کی روایات سماع پر محمول ہیں لہٰذا امام زہری کی یہ روایت صحیح ہے۔ اس حدیث کو علمائے حق نے مرزائیوں قادیانیوں کے خلاف بطورِ حجت پیش کیا ہے اور اس حدیث کا دفاع کیا ہے، مثلاً دیکھئے محمدیہ پاکٹ بک (ص ۵۸۹، ۵۹۰)

معلوم ہوا کہ مسئلہ عقیدے کا ہو یا اعمال و احکام کا، ثقہ راوی کی زیادت حجت ہے بشرطیکہ من کل الوجوہ ثقات یا اوثق کے خلاف نہ ہو لہٰذا عدمِ ذکر کو خلاف بنا دینا غلط ہے۔

مثال چہارم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (عشاء کی) نماز پڑھتے تھے پھر واپس جا کر اپنے قبیلے والوں کو (عشاء کی) نماز پڑھاتے تھے۔ اسے عمرو بن دینار نے سیدنا جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۷۰۰) و صحیح مسلم (۴۶۵)

اسے عمرو بن دینار سے سفیان بن عیینہ، شعبہ اور ایوب وغیرہم نے اس مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ دیکھئے المسند الجامع (۴۶۸/۳، ۴۶۹ ح ۲۲۷۰)

جبکہ یہ حدیث امام ابن جریج نے درج ذیل الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے:

"هي له تطوع و هي لهم مكتوبة" وہ (نماز) اُن (معاذ رضی اللہ عنہ) کے لئے نفل ہوتی تھی اور ان لوگوں کے لئے (جو ان کے پیچھے نماز پڑھتے تھے) فرض ہوتی تھی۔ دیکھئے کتاب الام للشافعی (ص ۱۷۳ ج ۱) شرح معانی الآثار (۴۰۹/۱) سنن الدارقطنی (۲۷۴/۱، ۲۷۵ ح ۱۰۶۲، ۱۰۶۳) اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۸۵/۳)

اس روایت میں امام ابن جریج رحمہ اللہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے۔
دیکھئے سنن الدارقطنی (ح ۱۰۶۳، وسندہ صحیح)

اس زیادت والی روایت پر نیموی صاحب نے اپنے تقلیدی مذہب کو بچانے کے لئے "وفي هذه الزيادة كلام" کہہ کر حملہ کر دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۲۶۴ ح ۵۲۴)

نیموی صاحب کا رد کرتے ہوئے مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"كلا بل هذه الزيادة صحيحة فإنها زيادة من ثقة حافظ ليست منافية لرواية من هو أحفظ منه أو أكثر عددًا كما ستقف عليه" ہرگز نہیں! بلکہ یہ زیادت صحیح ہے کیونکہ یہ ثقہ حافظ کی زیادت ہے، یہ زیادہ حافظ یا اکثر کے منافی نہیں ہے جیسا کہ آپ عنقریب واقف ہو جائیں گے۔ (ابکار المنن ص ۲۴۹، نیز دیکھئے ص ۲۵۰، ۲۵۱)

معلوم ہوا کہ ابن جریج (ثقہ راوی) کے تفرد والی روایت (جس میں اضافہ ہے) صحیح ہے اور مولانا مبارکپوری رحمہ اللہ یہاں اور سینے پر ہاتھ باندھنے والے مسئلے میں ثقہ راوی کی زیادت کو صحیح سمجھتے تھے۔

تنبیہ بلیغ: نیموی صاحب نے اپنے مذہب کے مخالف بہت سی روایات پر کلام کیا ہے جن میں ثقہ وصدوق راویوں کی زیادات ہیں مگر ایک جگہ اپنی مرضی کی ایک روایت کے بارے میں لکھتے ہیں: ''**و إسناده صحیح**'' (آثار السنن ص ۳۳ ح ۳٦)

التعلیق الحسن میں اس حدیث کے تحت نیموی صاحب نے محدث بزار سے نقل کیا کہ ہمارے علم کے مطابق اسے **بشر بن بکر عن الأوزاعي عن یحیي عن عمرة عن عائشة** کی سند سے حمیدی کے سوا کسی نے بھی مسند (یعنی متصل) بیان نہیں کیا۔ پھر نیموی صاحب نے جواب دیا: عبداللہ بن الزبیر الحمیدی ثقہ حافظ امام اور امام بخاری کے اساتذہ میں سے تھے لہٰذا اُن کی یہ زیادت زبردست طور پر مقبول ہے کیونکہ یہ اوثق کی روایت کے منافی نہیں ہے۔ (آثار السنن ص ۳۳ تحت ح ۳٦)

معلوم ہوا کہ نیموی صاحب زیادتِ ثقہ کے مسئلے میں دوہری پالیسی پر گامزن تھے۔

مثال پنجم: ولید بن عیزار نے ابوعمرو الشیبانی سے، انھوں نے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: کون سا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ نے فرمایا:

((**الصلوٰۃ علٰی وقتھا .**)) نماز اپنے وقت پر پڑھنا۔ (صحیح بخاری: ۵۲۷، صحیح مسلم: ۸۵)

اسے ولید بن عیزار سے شعبہ، مسعودی، ابواسحاق الشیبانی اور ابو یعفور نے اسی مفہوم کے ساتھ بیان کیا ہے۔ (المسند الجامع ۱۱/۵۰٦، ۵۰۷)

مالک بن مغول (ثقہ) کی روایت میں درج ذیل الفاظ آئے ہیں:

((**الصلوٰۃ في أول وقتھا .**)) اول وقت میں نماز پڑھنا۔

(صحیح ابن خزیمہ: ۳۲۷، صحیح ابن حبان، الاحسان: ۱۴۷۷، دوسرا نسخہ: ۱۴۷۹، وقال: ''تفرد بہ عثمان بن عمر'' أي عن

مالک بن مغول، وح ۳۲۷۳/۱۴۷۵ ۱۴۷۵، المستدرک للحاکم ۱/۱۸۸، وصححہ ووافقہ الذہبی)

اس روایت میں عثمان بن عمر نے مالک بن مغول سے تفرد کیا ہے جبکہ محمد بن سابق (صحیح بخاری: ۲۷۸۲) نے اسے مالک بن مغول سے مذکورہ اضافے کے بغیر روایت کیا ہے۔

سنن دارقطنی وغیرہ میں اس کے کچھ ضعیف شواہد (تائید کرنے والی ضعیف روایات) بھی ہیں تاہم حق یہ ہے کہ عثمان بن عمر رحمہ اللہ (ثقہ) کی بذاتِ خود منفرد اور اول وقت کے اضافے والی روایت صحیح ہے۔ والحمدللہ

مثال ششم: ثقہ امام زائدہ بن قدامہ رحمہ اللہ نے عاصم بن کلیب عن أبیه عن وائل بن حجر رضي اللّٰہ عنه کی سند سے ایک حدیث بیان کی کہ "فرأیته یحرکها یدعو بها" پس میں نے آپ (ﷺ) کو دیکھا، آپ (تشہد میں) اسے (شہادت کی انگلی کو) حرکت دے رہے تھے، اس کے ساتھ دعا کر رہے تھے۔

(سنن النسائی ۲/۱۲۷ ح ۸۹۰ وسندہ صحیح وصححہ ابن الجارود: ۲۰۸ وابن حبان، الاحسان: ۱۸۵۷)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ یہ حدیث بیان کر کے فرماتے ہیں: " لیس في شيءٍ من الأخبار " یحرکها " إلا في هذا الخبر ، زائدة ذکرہ " اس حدیث کے علاوہ کسی حدیث میں یحرکها کا لفظ نہیں ہے، اسے (صرف) زائدہ نے ذکر کیا ہے۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۳۵۴ ح ۷۱۴)

روایتِ مذکورہ پر بعض معاصرین نے کلام کیا ہے لیکن معاصرین میں سے ہی شیخ محمد ناصر الدین الالبانی رحمہ اللہ اور ابو اسحاق الحوینی وغیرہما نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

شیخ البانی کی تصحیح کے لئے دیکھئے ارواء الغلیل (۲/۶۹ ح ۳۵۲)

بلکہ شیخ البانی نے (شذوذ کی وجہ سے؟!) اس حدیث کو ضعیف کہنے والوں کا زبردست رد کیا ہے۔ دیکھئے السلسلۃ الصحیحہ (۷/۵۵۱ ح ۳۱۸۱)

تنبیہ نمبر ۱: شیخ البانی رحمہ اللہ نے اپنی تائید میں صحیح اور ضعیف جتنی روایات پیش کی ہیں

اُن میں سے زائدہ کی روایت کے علاوہ کسی ایک میں بھی ''یحر کھا '' کا لفظ نہیں ہے۔

تنبیہ نمبر۲: ہمارے شیخ مولانا حافظ عبدالمنان نورپوری رحمہ اللہ نے بھی شیخ البانی رحمہ اللہ کی تصحیح کو بطورِ حجت پیش کر کے اس سے استدلال کیا ہے۔

دیکھئے احکام ومسائل (ج ا ص ۱۹۶، ۱۹۷)

یہ اس کی دلیل ہے کہ حافظ صاحب بھی ثقہ کی زیادت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم

مثال ہفتم: هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها کی سند سے ایک روایت میں آیا ہے کہ ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے یہاں آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں تشریف رکھتے تھے عیدالفطر یا عیدالاضحیٰ کا دن تھا، دولڑکیاں یوم بعاث کے بارے میں وہ اشعار پڑھ رہی تھیں جو انصار کے شعراء نے اپنے فخر میں کہے تھے.... ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ شیطانی گانے باجے! (... صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں) دو مرتبہ انھوں نے یہ جملہ دہرایا، لیکن آپ نے فرمایا: ابوبکر! انھیں چھوڑ دو۔ ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور ہماری عید آج کا یہ دن ہے۔''

(صحیح بخاری مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ لاہور ج ۵ ص ۳۰۶ ح ۳۹۳۱)

اس حدیث کو ہشام بن عروہ سے شعبہ، حماد بن سلمہ اور ابومعاویہ الضریر نے بیان کیا ہے۔ (المسند الجامع ۲۰/ ۱۷۵ ح ۱۶۹۹۶)

یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن سے غامدی گروپ موسیقی کے جواز پر استدلال کرتا ہے۔ مثلاً دیکھئے مولانا ارشادالحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب ''اسلام اور موسیقی'' (ص ۱۶، ۱۷)

اس حدیث کو جب امام ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ سے اس سند ومتن سے روایت کیا تو حدیث میں درج ذیل اضافہ بھی بیان کیا۔

''ولیستا بمغنیتین '' وہ دونوں (بچیاں) مغنیہ نہ تھیں۔

(صحیح بخاری: ۹۵۲، صحیح مسلم: ۸۹۲، دارالسلام: ۲۰۶۱)

یہ اضافہ اگرچہ دوسرے راوی نہیں بیان کرتے مگر ثقہ کی زیادت مقبول ہونے کے اصول سے یہ اضافہ صحیح ہے اور اس حدیث سے غامدی گروپ کا استدلال باطل ہے۔

مثال ہشتم: ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے (سیدنا) ابوبکر (الصدیق رضی اللہ عنہ) سے فرمایا: میں تمھارے پاس سے گزرا اور تم آہستہ آواز میں قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے کہا: میں اسے (اللہ کو) سناتا تھا جس سے میں سرگوشی کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا: آواز تھوڑی بلند کیا کرو۔

آپ (ﷺ) نے (سیدنا) عمر (رضی اللہ عنہ) سے کہا: میں تمھارے پاس سے گزرا اور تم اونچی آواز سے قراءت کر رہے تھے؟ انھوں نے جواب دیا: میں سوئے ہوؤں کو جگاتا اور شیطان کو بھگاتا تھا۔ آپ نے فرمایا: اپنی آواز ذرا کم کیا کرو۔ (سنن الترمذی: ۴۴۷ وقال: غریب الخ)

امام ترمذی نے فرمایا: اس حدیث کو صرف یحییٰ بن اسحاق (السیلحینی) نے عن حماد ابن سلمة (عن ثابت البناني عن عبداللہ بن رباح الأنصاري عن أبي قتادة رضي اللہ عنه) کی سند سے بیان کیا ہے اور اکثر لوگ اس حدیث کو ثابت عن عبداللہ ابن رباح (رحمه اللہ عن النبي ﷺ) مرسلاً بیان کرتے ہیں۔

(جامع ترمذی بتحقیق مختصر للشیخ الالبانی ص ۱۲۰)

معلوم ہوا کہ اس حدیث میں یحییٰ بن اسحاق ثقہ راوی کا تفرد ہے۔ ثقہ راوی کے تفرد والی اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (۲/۱۸۹، ۱۹۰ ح ۱۱۶۱) حافظ ابن حبان (الاحسان ۳/۷ ح ۷۳۰، دوسرا نسخہ: ۷۳۳) حاکم (المستدرک ۱/۳۱۰) اور ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ ان تمام محدثین کے نزدیک ثقہ کی زیادت صحیح و معتبر ہوتی ہے۔ والحمدللہ

تنبیہ نمبر ۱: حدیثِ مذکور کو شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ معاصرین نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: نیز دیکھئے سنن ابی داود (۱۳۲۹)

مثال نہم: سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا: کیا تم کوئی مزید چیز چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: کیا تو نے ہمارے چہرے سفید (روشن) نہیں کر دیئے؟ کیا تو نے ہمیں آگ سے نجات دے کر جنت میں داخل نہیں کر دیا؟ پھر اللہ پردہ ہٹائے گا تو وہ

اپنے رب کی طرف دیکھنے سے زیادہ پیاری کوئی چیز نہیں دیئے جائیں گے۔

(صحیح مسلم:۱۸۱، دارالسلام:۴۴۹)

اسے حماد بن سلمہ نے ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ عن صہیب کی سند سے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں: اس حدیث کو سلیمان بن المغیرہ نے ثابت سے انھوں نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے اور صہیب عن النبی ﷺ کا اضافہ بیان نہیں کیا۔ (سنن الترمذی:۳۱۰۵)

امام ترمذی نے مزید فرمایا: اس حدیث کو صرف حماد بن سلمہ نے (متصل) سند کے ساتھ اور مرفوع بیان کیا ہے اور سلیمان بن مغیرہ (اور حماد بن زید) نے اس حدیث کو ثابت البنانی عن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے قول سے روایت کیا ہے۔ (ح۲۵۵۲)

☆ سلیمان بن المغیرہ کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۷۴/۱۱) الزہد لابن المبارک (زوائد نعیم بن حماد الصدوق المظلوم:۲۸۲ وسندہ صحیح)

☆ حماد بن زید کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۷۵/۱۱، وسندہ صحیح)

☆ معمر بن راشد کی روایت کے لئے دیکھئے تفسیر طبری (۷۵/۱۱ وسندہ صحیح)

یہ بات مسلّم ہے کہ حماد بن سلمہ اثبت الناس عن ثابت ہیں لیکن اسی روایت کو مرفوع متصل بیان نہ کرنے والے تینوں امام زبردست ثقہ ہیں اور جماعت ہونے کی بنا پر حماد سے زیادہ قوی ہیں۔

ہمارے نزدیک ثقہ کی زیادت معتبر ہونے کی وجہ سے صحیح مسلم والی روایت بالکل صحیح ہے اور تین ثقہ اماموں کی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے مقطوع روایت بھی صحیح ہے۔ والحمدللہ

مثال دہم: امام زہری کی بیان کردہ عن عروۃ بن الزبیر عن بشیر بن أبي مسعود الأنصاري عن أبیہ رضي اللّٰہ عنہ کی سند سے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ کو پانچ نمازیں پڑھائی تھیں۔

دیکھئے صحیح بخاری (۵۲۱) وصحیح مسلم (۶۱۰) وغیرہما۔

اسے امام زہری سے ایک جماعت مثلاً امام مالک، سفیان بن عیینہ، لیث بن سعد اور شعیب بن ابی حمزہ وغیرہم نے روایت کیا ہے۔ امام زہری سے اسامہ بن زید اللیثی (صدوق حسن الحدیث وثقہ الجمہور) کی روایت میں درج ذیل اضافہ ہے:

''ثم کانت صلاته بعد ذلك التغليس حتى مات ولم يعد إلى أن يسفر''

پھر اس کے بعد آپ (ﷺ) کی (فجر کی) نماز وفات تک اندھیرے میں تھی اور آپ نے دوبارہ کبھی روشنی کر کے (یہ نماز) نہیں پڑھی۔ (سنن ابی داود: ۳۹۴، مطبوعہ دارالسلام ۱/۳۴۱)

امام ابن خزیمہ فرماتے ہیں: ''هذه الزيادة لم يقلها أحد غير أسامة بن زيد''

اس زیادت (اضافے) کو اسامہ بن زید کے سوا کسی نے بھی روایت نہیں کیا۔

(صحیح ابن خزیمہ ۱/۱۸۱ ح ۳۵۲)

صدوق راوی کے اس تفرد والی روایت کو امام ابن خزیمہ، حافظ ابن حبان (الاحسان: ۱۴۴۶) اور حاکم (۱/۱۹۲، ۱۹۳ ح ۶۹۲) نے صحیح قرار دیا ہے جو اس کی دلیل ہے کہ ان محدثین کے نزدیک ثقہ وصدوق راوی کی زیادت صحیح وحسن ہوتی ہے۔

تنبیہ نمبر ۱: چونکہ امام زہری کی اصل حدیث صحیحین میں ہے اور السنن الکبریٰ للبیہقی (۱/۴۴۱) میں انھوں نے اصل حدیث میں عروہ سے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا یہ روایت حسن ہے۔

تنبیہ نمبر ۲: المستدرک للحاکم (۱/۱۹۰ ح ۶۸۲) میں اس حدیث کا ایک حسن لذاتہ شاہد بھی ہے لہٰذا اسامہ بن زید کی حدیث صحیح ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب انوار السنن فی تحقیق آثار السنن (مخطوط ص ۴۳ ح ۲۱۳) والحمدللہ

تنبیہ نمبر ۳: جس طرح ایک شخص نے صحیح مسلم کی ایک حدیث کو شاذ (یعنی ضعیف) قرار دیا، اُسی طرح نیموی تقلیدی صاحب نے اسامہ بن زید اللیثی کی حدیث کو ''والزيادة غير محفوظة'' کہہ کر ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے آثار السنن (ص ۹۷ ح ۲۱۳)

اللہ تعالیٰ نے نیموی پر مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ کو مسلط کر دیا۔

مولانا مبارکپوری نے نیموی کے اعتراضات کے جوابات دے کر اسامہ بن زید کی توثیق ثابت کی اور فرمایا:

''فإن زيادة الثقة إنما تكون شاذة إذا كانت منافية لرواية غيره من الثقات و أما إذا لم تكن منافية فهي مقبولة وهو مذهب المحققين وسيأتي تحقيقه في باب وضع اليدين علىٰ الصدر وزيادة أسامة بن زيد في هذا الحديث لا ينافي لرواية غيره فهذه الزيادة مقبولة بلامرية ''

کیونکہ ثقہ کی زیادت تو اس وقت شاذ ہوتی ہے جب وہ دوسرے ثقہ راویوں کے منافی ہو اور اگر منافی نہ ہو تو وہ مقبول ہوتی ہے اور یہی محققین کا مذہب ہے، اس کی تحقیق سینے پر ہاتھ باندھنے والے باب میں آئے گی اور اس حدیث میں اسامہ بن زید کی زیادتی (اضافہ) دوسرے راویوں کے منافی نہیں ہے پس یہ زیادت بغیر کسی شک کے مقبول ہے۔

(ابکار المنن فی تنقید آثار السنن ص ۸۰)

ہم جب کسی راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث یا حدیث کو صحیح وحسن لذاتہ قرار دیتے ہیں تو اصول کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، تناقض وتعارض سے ہمیشہ بچتے ہوئے، غیر جانبداری سے اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے راوی کو ثقہ وصدوق حسن الحدیث اور حدیث کو صحیح وحسن قرار دیتے ہیں۔ ایک دن مرکر اللہ کے دربار میں ضرور بالضرور اور یقیناً پیش ہونا ہے۔ یہ نہیں کہ اپنی مرضی کی روایت کو صحیح وثابت کہہ دیں اور دوسری جگہ اسی کو ضعیف کہتے پھریں۔ یہ کام تو آلِ تقلید کا ہے!

اگر کوئی شخص میری کسی تحقیق یا عبارت میں سے تضاد وتعارض ثابت کر دے تو اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ علانیہ رجوع کروں گا، توبہ کروں گا اور جو بات حق ہے برملا اس کا اعلان کروں گا۔ لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں، بس اگر اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی ہے۔ اے اللہ! میری ساری خطائیں معاف کر دے۔ آمین

صحیح بخاری وصحیح مسلم اور مسلکِ حق: مسلکِ اہلِ حدیث کے لئے میری جان بھی

حاضر ہے۔ یہ باتیں جذباتی نہیں بلکہ میرے ایمان کا مسئلہ ہے۔

قارئین کرام! ان دس مثالوں سے یہ ثابت کر دیا گیا ہے کہ ثقہ راوی کی زیادت اگر (من کل الوجوہ) منافی نہ ہو (جس میں تطبیق وتوفیق ممکن ہی نہیں ہوتی) تو پھر عدمِ منافات والی یہ زیادت مقبول وحجت ہے۔ والحمدللہ

زیادتِ ثقہ کی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ مثلاً:

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے ''**رباط یوم في سبیل اللّٰه** ...'' والی ایک حدیث بیان کی۔ (صحیح بخاری:۲۸۹۲)

اس کے بارے میں ابن عساکر نے فرمایا: ''**تفرد بذکر الرباط فیه ابن دینار**''

(الاربعون فی الحث علی الجہاد:۲۳، فضائل جہاد مترجم ص ۱۱۸)

زیادتِ ثقہ پر طویل بحث کے بعد مضمون کے شروع والی حدیث کے بقیہ راویوں کا تعارف درج ذیل ہے:

۷: عوف بن ابی جمیلہ الاعرابی العبدی البصری رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے بنیادی راوی ہیں، جمہور نے اُن کی توثیق کی ہے۔

امام احمد بن حنبل، یحییٰ بن معین اور ابن حبان وغیرہم نے انھیں ثقہ قرار دیا۔

حافظ ذہبی نے فرمایا: '' **ثقة کبیر** '' (معرفة الرواة المتکلم فیهم بما لا یوجب الرد:۲۶۷)

اس کے بعد انھوں نے محمد بن بشار بندار کی جرح بغیر کسی سند کے نقل کی اور یہ جرح جمہور کی توثیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

۸: ابو مخلد مہاجر بن مخلد سے ایک جماعت نے روایت بیان کی، ابن حبان نے کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ یحییٰ بن معین نے فرمایا: '' **صالح** '' عجلی نے فرمایا: **ثقة**.

ترمذی (۳۸۳۹) نے اُنکی ایک حدیث کو '' **حسن غریب** '' کہا۔ ابن الجارود (۸۷) ابن حبان (۱۳۲۴، ۱۳۲۸) اور ابن خزیمہ (۱۹۲) نے اُن کی حدیث کو صحیح قرار دیا۔ جمہور کی اس توثیق وتعریف کے مقابلے میں امام ابو حاتم الرازی کی جرح غلط ومردود ہے، لہٰذا مہاجر

بن مخلد صدوق حسن الحدیث ہیں۔ رحمہ اللہ

۹: ابوالعالیہ رفیع بن مہران الریاحی رحمہ اللہ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن اربعہ کے راوی ہیں اور زبردست ثقہ ہیں۔ انھیں امام یحییٰ بن معین، ابوزرعہ الرازی، ابوحاتم الرازی، عجلی، ابن حبان اور جمہور محدثین نے ثقہ وصدوق قرار دیا اور اُن پر جرح مردود ہے۔

اس حدیث میں ابوالعالیہ نے سماع کی تصریح کر دی ہے لہٰذا ارسال کا اعتراض بھی مردود ہے۔

ابوالعالیہ طبقہ ثانیہ کے تابعی یعنی کبار تابعین میں سے ہیں، بلکہ انھوں نے زمانۂ جاہلیت بھی پایا ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان شاء اللہ

۱۰: ابومسلم الجذمی سے ایک جماعت نے روایت بیان کی اور انھیں امام عجلی، حافظ ابن حبان اور حافظ ذہبی (الکاشف ۳/ ۴۱۵) نے ثقہ قرار دیا ہے۔

امام ترمذی نے ان کی ایک حدیث کو ''حسن غریب'' کہا۔ (سنن الترمذی:۱۸۸۰)

یعنی وہ امام ترمذی کے نزدیک حسن الحدیث ہیں۔

ابن اثیر نے انھیں ''ومن التابعین'' میں شمار کیا۔ (اسدالغابۃ ۱/ ۱۶۵، جارود)

اگر کوئی شخص کہے کہ امام ابن معین نے فرمایا: '' لا أدري ''یعنی میں نہیں جانتا کہ ابو مسلم کون ہے؟ (تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری:۳۴۶۷)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ چار علماء کی توثیق کے بعد یہ قول مرجوح ہے اور اصول حدیث واسماء الرجال کی رُو سے ابومسلم الجذمی صدوق حسن الحدیث راوی ہیں۔ واللہ اعلم

ابومسلم کی سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے ملاقات ثابت ہے۔

(دیکھئے مسند احمد ۵/ ۱۷۹، وکتبِ حدیث)

بلکہ ایک روایت میں '' حدثني أبو ذر ''کے الفاظ بھی موجود ہیں۔

(مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۸۷ وسندہ حسن لذاتہ)

نیز امام بخاری نے بھی لکھا ہے: '' سمع أبا ذر '' (الکنیٰ ص ۶۸ رقم ۶۲۸)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ امام بخاری نے یہ بھی لکھا ہے:

" والمعروف أن أبا ذر كان بالشام زمن عثمان و عليها معاوية و مات يزيد في زمن عمر، ولا يعرف لأبي ذر قدوم الشام زمن عمر."

اورمعروف (مشہور) یہ ہے کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے اور معاویہ (رضی اللہ عنہ) کے دورِامارت میں ابوذر (رضی اللہ عنہ) شام میں تھے اور یزید (بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ) عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں فوت ہو گئے تھے اور عمر (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں ابوذر (رضی اللہ عنہ) کا شام آنا معروف (مشہور) نہیں۔ (التاریخ الاوسط ۱/ ۳۹۸ ح ۱۳۷، دوسرا نسخہ ۱/ ۷۰)

اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور کسی بات کا معروف (مشہور) ہونا یا نہ ہونا اس کے صحیح یا ضعیف ہونے کی دلیل نہیں ہوتا بلکہ صحیح سند والی روایت صحیح ہوتی ہے چاہے مشہور ہو یا نہ ہو۔ اصولِ حدیث کی کتابوں میں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ مشہور حدیث صحیح بھی ہوتی ہے، حسن بھی ہوتی ہے، ایسی بھی ہوتی ہے کہ جس کی کوئی اصل نہیں ہوتی اور کلیتاً موضوع بھی ہوتی ہے۔

(دیکھئے اختصار علوم الحدیث اردو مترجم ص ۱۰۸، نوع: ۳۰)

اصل مسئلہ یہ نہیں کہ فلاں بات معروف ہے یا معروف نہیں ہے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے کہ فلاں بات باسند صحیح ثابت ہے یا ثابت نہیں۔

کتنے ہی مشہور قصے ہیں جو بلحاظِ سند ضعیف، مردود اور باطل ہوتے ہیں۔

مثلاً دیکھئے ''مشہور واقعات کی حقیقت'' (مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ لاہور فیصل آباد)

صحیح حدیث کے مقابلے میں امام بخاری رحمہ اللہ کی مبہم جرح کون سنتا ہے؟

امام بخاری کے مذکور قول کی تردید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابویعلیٰ نے فرمایا:

" حدثنا محمد بن إسماعيل بن أبي سمينة: ثنا عبد الوهاب عن عوف عن المهاجر أبي مخلد عن أبي العالية: ثنا أبو مسلم قال: كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان فغزا المسلمون فغنموا و أصابوا جارية نفيسة

فصارت لرجل من المسلمين في سهمه ... " فذكر نحوه.

(المطالب العالیہ ۸/ ۶۴۵ ح ۴۴۵۹/ ۲)

محمد بن اسماعیل بن ابی سمینہ صحیح بخاری وغیرہ کے راوی اور ثقہ ہیں۔

(دیکھئے تقریب التہذیب: ۵۷۳۳)

لہٰذا یہ سند بھی حسن لذاتہ ہے۔

اس روایت سے صاف ثابت ہوا کہ یزید بن ابی سفیان (رضی اللہ عنہ) کے زمانے میں ابوذر (رضی اللہ عنہ) شام میں موجود تھے لہٰذا ہر قسم کے "معروف اور غیر معروف" کا اعتراض سرے سے ہی ختم ہو گیا۔

حافظ ابن عبدالبر نے بھی لکھا ہے: "**ثم خرج بعد وفاة أبي بكر رضي اللّٰه عنه إلى الشام، فلم يزل بها حتى ولي عثمان رضي اللّٰه عنه.**"

پھر آپ (ابوذر رضی اللہ عنہ) ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شام تشریف لے گئے تو عثمان رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے تک وہیں رہے۔ (الاستیعاب ۱/ ۱۵۵، جندب بن جنادہ)

خلاصۃ التحقیق یہ ہے کہ سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث حسن لذاتہ یعنی مقبول، ثابت اور حجت ہے، لہٰذا بعض معاصرین کا اس روایت کو ضعیف یا موضوع قرار دینا غلط ہے۔

ابن ابی عاصم کی ایک روایت میں ابوالعالیہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے درمیان ابومسلم الجذمی کا واسطہ رہ گیا ہے، اس کے باوجود شیخ البانی رحمہ اللہ نے ابن ابی عاصم کی روایت کو "**وهذا إسناد حسن**" قرار دیا۔ (دیکھئے سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۴/ ۳۲۹ ح ۱۷۴۹)

یعنی شیخ البانی کے نزدیک بھی یہ حدیث حسن بمعنی مقبول و حجت ہے۔

اگر کوئی کہے کہ آپ نے "**فاغتصبها يزيد**" کا ترجمہ و مفہوم "قبضے میں لے لیا" کیوں کیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم تمام صحابہ سے عقیدت و محبت رکھتے ہیں اور ہمارا یہ منہج ہے کہ ہر ممکن طریقے سے اپنے آپ کو صحابہ کی تنقیص یا اشارۂ تنقیص سے بھی بچایا جائے اور ان شاء اللہ اسی منہج میں خیر ہے۔

آخر میں اس حدیث پر بعض معاصرین کے اعتراضات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱) **اعتراض:** ''یہ روایت باسند صحیح ثابت نہیں، بلکہ اسکی سند میں انقطاع ہے اور کچھ رواۃ متکلم فیہ بھی ہیں اور کچھ کے حفظ وضبط کا ہی کچھ علم نہیں، ہمارے فاضل دوست محترم... فرماتے ہیں: یہ روایت باطل ہے کسی سبائی درندے نے اسے گھڑا ہے۔''

جواب: اس حدیث کی سند ابو مسلم الجذمی تک متصل سند اور تصریحِ سماعات کے ساتھ ثابت ہے جیسا کہ اس مضمون کے شروع میں درج سند سے ظاہر ہے، ابو مسلم الجذمی کا سماع سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے اور ان کا مدلس ہونا ثابت نہیں، لہٰذا یہ روایت شروع سے آخر تک متصل ہے اور کسی قسم کے انقطاع کا نام ونشان تک نہیں۔

''کچھ رواۃ متکلم فیہ'' کا اگر یہ مطلب ہے کہ کچھ راوی ضعیف ہیں تو یہ بات غلط ہے، جیسا کہ اس مضمون میں راویوں کی مفصل تحقیق کر کے ثابت کر دیا گیا ہے۔ اگر مجرد کلام کا تذکرہ ہے تو عرض ہے کہ جمہور محدثین کی توثیق کے بعد متکلم فیہ ہونا چنداں مضر نہیں ہوتا۔

صحیحین (یا ان دونوں میں سے کسی ایک) کے کئی مرکزی راوی مثلاً فلیح بن سلیمان، یحییٰ بن سلیم الطائفی اور عکرمہ مولیٰ بن عباس وغیرہم بھی تو ''متکلم فیہ'' ہیں لیکن جمہور کی توثیق کی وجہ سے اُن پر جرح مردود ہے اور اہل حدیث اُن کی بیان کردہ احادیث کو صحیح سمجھتے ہیں۔

تفصیل کے لئے ''الامر المبرم لابطال الکلام المحکم'' کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔

''ضبط وحفظ کا ہی کچھ علم نہیں'' والا اعتراض بھی غلط ہے، جیسا کہ ہمارے اس مضمون میں تحقیق رواۃ سے ثابت ہے۔

اس حسن لذاتہ متصل روایت کو باطل یا موضوع قرار دینا ظلم ہے اور اس کے ثقہ و صدوق راویوں میں سے کسی کو سبائی درندہ قرار دینا تو ظلم عظیم ہے، جس کا حساب ایسے الفاظ کہنے والے کو اللہ کی عدالت میں دینا پڑے گا۔ ان شاء اللہ

نیز یہ کہنا بھی بالکل باطل ہے کہ ''جس نے بھی اسے گھڑا ہے وہ تاریخ سے نابلد تھا۔''

جب اس سند میں کوئی کذاب وضاع راوی نہیں بلکہ تمام راوی ثقہ یا صدوق ہیں تو

گھڑنے یا مکذوب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، بلکہ یہ تو صحیح حدیث کی تکذیب ہے جو کہ اہل حدیث کا منہج ہرگز نہیں۔

۲) ایک شخص نے امام عبدالوہاب الثقفی (ثقہ) کی روایت کو باطل یا موضوع ثابت کرنے کے لئے پانچ روایات پیش کیں اور بعد میں لکھا:

" مؤخرالذکر تین رواۃ تک سند کمزور ہے لیکن اوپر کے دو رواۃ سے ثابت ہے کہ انہوں نے روایت مذکورہ کو منقطع بیان کیا ہے"

عرض ہے کہ جب تین روایتیں مردود ہیں تو انھیں پیش کرنے اور تدلیس سے کام لینے کی کیا ضرورت تھی؟

جب صرف دو روایات ہیں تو یہی ظاہر ہے کہ دو راوی ابومسلم الجذمی کا واسطہ بیان نہیں کرتے اور ایک راوی بیان کرتے ہیں۔ زیادتِ ثقہ مقبولہ کے اصول کی رُو سے ابومسلم کے اضافے والی بات مقبول ہے اور ہمارے اس مضمون میں صحیح بخاری (۲۵۸۵) میں امام بخاری کے عمل سے، نیز دوسرے دلائل سے بھی یہی ثابت کر دیا گیا ہے۔

۳) **اعتراض:** ''بہت سارے محدثین نے اس زیر بحث روایت کو منقطع قرار دیا ہے۔''

جواب: معترض نے ابن عساکر، بیہقی، ابن کثیر اور کسی ابن طولون کے حوالے پیش کئے۔

☆ جس حدیث کو اس مضمون کے شروع میں ذکر کیا گیا ہے، اُس پر ابن عساکر نے اس مقام پر کوئی جرح نہیں کی اور تاریخ دمشق (۱۸/۱۶۰) میں جب ابوالعالیہ رحمہ اللہ کی روایت: " **كنا بالشام مع أبي ذر** " لکھی تو فرمایا کہ الثقفی نے اسے **أبو العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر** کی زیادت کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ حدیث یزید بن ابی سفیان کے تذکرے میں آ رہی ہے۔

حافظ ابن عساکر نے ابومسلم کی بیان کردہ حدیث کو ہرگز منقطع نہیں کہا، بلکہ ''زاد'' کے لفظ کے ساتھ زیادتِ مذکورہ کا اشارہ کیا اور یہ معلوم ہے کہ زیادتِ ثقہ مقبول ہوتی ہے۔

حافظ ذہبی نے بھی تاریخ الاسلام (۵/۲۷۳) میں ابومسلم کی اس حدیث کو منقطع یا

ضعیف نہیں کہا بلکہ یہ بتایا کہ دوسری سند میں ابو مسلم کا واسطہ موجود نہیں، اور حافظ ذہبی کی اس بات سے کسے انکار ہے؟!

☆ بیہقی نے دلائل النبوۃ (۶/ ۴۶۶۔۴۶۷) میں ابو مسلم الجذمی کی روایت بیان ہی نہیں کی بلکہ ابوالعالیہ کی ابو مسلم کے بغیر روایت بیان کی اور فرمایا:

اس سند میں ابوالعالیہ اور ابوذر کے درمیان ارسال ہے۔

امام بیہقی سے پہلے امام یحییٰ بن معین نے اس سوال ''کیا ابوالعالیہ نے ابوذر سے سنا'' کا جواب دیا: '' لا ، إنما يروي أبو العالية عن أبي مسلم عن أبي ذر .''

نہیں۔ ابوالعالیہ تو صرف ابو مسلم عن ابی ذر (کی سند) سے روایت کرتے ہیں۔

(تاریخ ابن معین، روایۃ الدوری: ۳۴۶۷)

اس ارشاد میں امام ابن معین نے سمجھا دیا کہ ابوالعالیہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کے درمیان ابو مسلم الجذمی کا واسطہ ہے۔

دوسری طرف ابن عساکر نے ابوالعالیہ کے بارے میں لکھا ہے: '' وفد الشام مجاهدًا و سمع بها أبا ذر و قيل :إنه و فد علٰى عمر بن عبد العزيز .''

وہ جہاد کرنے کے لئے شام آئے اور شام میں ابوذر سے سنا، اور یہ کہا گیا ہے کہ وہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس بطورِ وفد آتے تھے۔ (تاریخ دمشق ۱۸/ ۱۵۹)

ابو حاتم الرازی نے فرمایا: '' بصري أدرك الجاهلية ''

(الجرح والتعدیل ۳/ ۵۱۰ ت ۲۳۱۲)

ابوالعالیہ نے فرمایا: '' دخلت علٰى أبي بكر ..'' میں ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کے پاس گیا۔ (التاریخ الاوسط ۱/ ۶۹ ح ۳۸۱ وسندہ حسن، دوسرا نسخہ ۳/ ۳۲ ح ۵۲، الربیع بن انس وثقہ الجمہور)

ابوالعالیہ کبار تابعین (من الثانیہ) میں سے تھے اور ان کے استاد ابو مسلم کو '' من الثالثہ'' کہنا محلِ نظر ہے۔

☆ حافظ ابن کثیر نے یزید بن معاویہ کے بارے میں خاص باب کے تحت کئی باتیں لکھی

ہیں:

۱: یزید شہوات کی طرف بھی جاتا تھا اور بعض اوقات نمازیں ترک بھی کر دیتا تھا۔

(ص ۳۲۵)

۲: امام بخاری نے فرمایا: ” والحديث معلول “

۳: ہماری (یعنی ابن کثیر کی) ذکر کردہ روایات ضعیف اور بعض منقطع سندوں سے ہیں۔

۴: ابن عساکر نے یزید بن معاویہ کی مذمت میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ ساری موضوع ہیں، ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں۔ (البدایہ والنہایہ ۸/ ۳۲۷)

ان چاروں باتوں کا علی الترتیب جواب درج ذیل ہے:

۱: شہوات اور ترکِ صلوٰات والی بات با سند صحیح ثابت نہیں۔

۲: والحدیث معلول کے الفاظ امام بخاری سے با سند صحیح ثابت نہیں۔

۳: ابو مسلم الجذمی نے سیدنا ابو ذر رضی اللہ عنہ سے سماع کی تصریح کی ہے جیسا کہ مسند احمد وغیرہ میں صراحت ہے، لہٰذا ابو مسلم کی روایت کو منقطع کہنا غلط ہے۔

۴: یہ قول بھی اپنے عموم کے لحاظ سے اُسی طرح غلط ہے، جیسا کہ ابن حزم نے وضو کے دوران میں داڑھی کے خلال کے بارے میں لکھا: ” و هذا كله لا يصح منه شئ. “

(المحلی ۲/ ۳۶ مسئلہ: ۱۹۰)

٤) اگر کوئی شخص یہ کہے کہ آپ نے خود اعمش کی ایک معنعن روایت کو ضعیف قرار دیا ہے، جس سے ایک صحابی کا منافق ہونا ” ثابت “ ہوتا ہے یعنی صحابی کی عدالت (صحابیت) ہی ساقط ہو جاتی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت صرف اس وجہ سے ضعیف ہے کہ اعمش مدلس ہیں اور یہ روایت عن سے ہے۔

اگر کسی شخص کو اس روایت میں تصریح سماع مل گئی ہے تو حوالہ پیش کرے، ورنہ یہ روایت ضعیف و مردود ہی ہے۔

رہا استاذ محترم محبّ اللہ شاہ رحمہ اللہ کو راقم الحروف کا جواب تو وہ دوسرے نمبر پر بطورِ الزام

پیش کیا گیا ہے، کیونکہ وہ ابوصالح سے اعمش کی روایت کو سماع پر محمول یعنی صحیح سمجھتے تھے۔

۵) اگر کوئی کہے کہ "کیا سند کے تمام رواۃ کا ثقہ ہونا سند کی صحت کے لئے کافی ہے؟"

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر سند متصل ہو، شاذ یا معلول نہ ہو تو اس سند کے راویوں کا ثقہ و صدوق ہونا صحت کے لئے کافی ہے اور اسی پر اہل حدیث کا عمل ہے۔

یاد رہے کہ ہماری روایت مذکورہ کا معلول (یعنی معلل) ہونا ثابت نہیں۔

٦) محترم کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

"اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے ابومسلم کے سماع کا کوئی ثبوت قطعاً نہیں"

عرض ہے کہ ثبوت تو حسن لذاتہ سند کے ساتھ مسند احمد (۵/ ۱۷۹) اور مختصر قیام اللیل للمروزی (ص ۷۸) وغیرہما میں موجود ہے اور امام بخاری نے بھی فرمایا ہے کہ ابومسلم نے ابوذر (رضی اللہ عنہ) سے سنا ہے۔ (کتاب الکنیٰ ص ٦٨)

لہٰذا سماع کے انکار کا دعویٰ باطل ہے اور امام بخاری کے ارشاد سے یہی ظاہر ہے کہ امام بخاری بھی اسے ثابت سمجھتے تھے۔

۷) اگر کوئی کہے کہ "اور ان کے فیصلہ کے برخلاف متقدمین محدثین نے بالاتفاق اس روایت کو مردود قرار دیا" تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے علم کے مطابق متقدمین محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اس روایت کو مردود قرار نہیں دیا بلکہ متاخرین میں سے صرف حافظ ابن کثیر نے منقطع ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے، جو کہ مذکور سند متصل ہونے کی وجہ سے غلط ہے۔

بعض علماء نے صحیح مسلم کی بعض روایات کو منقطع قرار دیا ہے تو کیا ہم ان روایات کو مردود قرار دیں گے؟! ہرگز نہیں، بلکہ اصولِ حدیث و اصولِ محدثین کو ترجیح دیں گے اور اس طرح صحیح بخاری و صحیح مسلم کی کوئی حدیث ضعیف و مردود ثابت نہیں ہوتی، بلکہ صحیح یا حسن ہی رہتی ہے۔

۸) ایک شخص نے معجم المختلطین کے حوالے سے امام فلاس کی طرف منسوب ایک قول:

" إنه اختلط حتى كان لا يعقل ، و سمعته وهو مختلط يقول :ثنا محمد بن عبد الرحمن بن ثوبان باختلاط شديد . " پیش کر کے لکھا ہے:

''اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ اختلاط کے بعد بھی انہوں نے روایت کیا ہے، بہر حال یہ بے سند اور عصر حاضر کے مولف کی کتاب ہے لہٰذا مردود ہے۔''

اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں یہ قول باسند صحیح نہیں ملا اور اگر یہ باسند صحیح ثابت ہو جائے تو اس سے یہی ظاہر ہے کہ امام عبدالوہاب الثقفی کا آخری عمر میں دماغ خراب ہو گیا تھا۔

اس مناسبت سے حافظ ذہبی کا ایک قول پیشِ خدمت ہے:

حافظ ذہبی نے امام ابن خزیمہ کے پوتے اور صحیح ابن خزیمہ کے راوی محمد بن الفضل بن محمد کے بارے میں فرمایا:

" قلت :ما أراهم سمعوا منه إلا في حال وعيه ، فإن من زال عقله كيف يمكن السماع منه ؟ بخلاف من تغير و نسي وانهرم ."

میں نے کہا: میں یہی سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ان کے حافظے کے دور میں ہی ان سے سنا ہے، کیونکہ جس کی عقل زائل ہو جائے تو اس سے سماع کس طرح ممکن ہے؟ برخلاف اس کے جو تغیر کا شکار ہو، بھول جائے (یا) بوڑھا ہو جائے۔ (سیر اعلام النبلاء ۱۶/۴۹۰)

(۲۲/ مارچ ۲۰۱۳ء)

چند شبہات کا ازالہ

۱) کفایت اللہ سنابلی صاحب کی طرف سے حسین بن ابراہیم الجورقانی کی کتاب الاباطیل والمناکیر والصحاح والمشاھیر (۱/ ۱۲۶ ح ۱۲۲) سے ایک روایت پیش کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۲/ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے:

۱: محمد بن طاہر المقدسی کے بارے میں خود کفایت اللہ صاحب نے ''کان کثیر الوھم'' وغیرہ کی جرح نقل کی ہے۔

۲: جورقانی پر بھی شدید جرح ہے۔

۳: عیسیٰ بن علی بن عیسیٰ کی توثیق مع تعین مطلوب ہے۔

سوال یہ ہے کہ اہلِ بدعت صرف اسی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں؟

امام المغازی محمد بن اسحاق نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ ربیع الاول کی بارہ راتیں گزرنے کے بعد سوموار والے دن (یعنی ۱۲/ ربیع الاول کو) پیدا ہوئے۔

(سیرت ابن ہشام ۱/ ۱۶۷، دلائل النبوۃ للبیہقی ۱/ ۷۴)

کیا اس قدیم ترین قول کے مقابلے میں کوئی حدیث یا صحابی وتابعی کا کوئی اثر ہے؟

۲) اس میں کوئی شک نہیں کہ ''والمعروف'' والے الفاظ امام بخاری کا قول ہے اور اس قول کا صرف یہی مطلب ہے کہ امام بخاری کے نزدیک مشہور بات یہ ہے کہ ابوذر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام میں تھے اور عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ان کا شام جانا مشہور نہیں۔

یہ واقعہ چونکہ امام بخاری کی پیدائش سے پہلے ہوا ہے لہٰذا یہ ضروری ہے کہ امام بخاری سے ابوذر رضی اللہ عنہ تک صحیح سند پیش کی جائے کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں شام نہیں گئے تھے۔

اگر صحیح سند موجود نہیں تو پھر امام بخاری کا یہ قول اس صحیح (حسن لذاتہ) حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ ''كان أبو ذر بالشام زمن يزيد بن أبي سفيان''

یعنی ابوذر رضی اللہ عنہ یزید بن ابی سفیان کے زمانے میں شام میں تھے۔

ظاہر ہے کہ صحیح حدیث کے مقابلے میں امام بخاری ہوں یا کوئی اور امام، ان کا قول حجت نہیں رہتا اور صحیح حدیث حجت رہتی ہے۔سفیان ثوری کے بارے میں ابوزرعہ ابن العراقی کا قول ''مشہور بالتدلیس'' کئی وجہ سے صحیح ہے۔مثلاً:

۱: سفیان ثوری کا مدلس ہونا ثابت ہے اور غیر مدلس ہونا ثابت نہیں۔

۲: سفیان ثوری کے شاگردوں سے بھی ان کا مدلس ہونا ثابت ہے۔

۳: یہ قول کسی حدیث یا کسی دلیل کے خلاف نہیں۔

تنبیہ: امام بخاری کی طرف منسوب یہ قول کہ ''**و لا أعرف لسفیان ... تدلیسًا ، ما أقل تدلیسه .**'' باسند صحیح ثابت نہیں جیسا کہ الفتح المبین کے جدید نسخے میں اصلاح کر دی گئی ہے اور یہ نسخہ چھپنے کے لئے مکتبہ اسلامیہ پہنچ چکا ہے۔

العلل الکبیر کا بنیادی راوی ابوحامد التاجر مجہول الحال ہے۔(الحدیث:۳۸ص ۳۱،شمارہ ۱۰۲ص ۲۷)

لہٰذا یہ کتاب ہی ثابت نہیں۔

ولید بن عتبہ الدمشقی مشہور ثقہ راوی ہیں۔ان سے ابوداود، بقی بن مخلد، یعقوب بن سفیان الفارسی اور ابوزرعہ الرازی نے روایت بیان کی اور یہ سب اپنے نزدیک صرف ثقہ سے ہی روایت بیان کرتے تھے۔ابن حبان اور ابن حجر نے توثیق کی اور ذہبی نے فرمایا: **صدوق .** لہٰذا یہ واقعی معروف الحدیث اور ثقہ وصدوق ہیں۔

الحارث بن عمرو تو مشہور صحابی ہیں۔رضی اللہ عنہ

یزید بن عمرو الاسلمی (مجہول الحال) عن عبدالعزیز بن عقبہ بن سلمہ (مجہول الحال) کے بارے میں اگر امام بخاری نے ''**غیر معروف سماعه**'' فرمایا تو دوسری جگہ اس کے برعکس بھی فرمایا: ''**یزید بن عمرو الأسلمي (سمع عبد العزیز) بن عقبة بن سلمة .**'' (التاریخ الکبیر ۸/ ۳۵۰ ت ۳۲۸۷)

ان دونوں باتوں میں سے کون سی صحیح ہے؟

ہمارے نزدیک تو التاریخ الکبیر والی یہ روایت یزید بن عمرو اور عبدالعزیز دونوں مجہولوں یا مجروحوں کی وجہ سے ضعیف ومردود ہے۔

۳) شدید نکارت والے متن پر مشتمل روایت کا موضوع ہونا۔

ایسی روایت کی سند صحیح نہیں بلکہ مردود ہوتی ہے، نیز محدثین کرام اسے صحیح نہیں بلکہ موضوع کہتے ہیں۔ جبکہ أول يغير سنتي والی روایت کے متن میں کوئی نکارت نہیں، سند بھی حسن لذاتہ یعنی صحیح ہے اور کسی محدث نے اسے ہرگز موضوع قرار نہیں دیا۔

نبی ﷺ کا غیب کی خبریں بیان کرنا اللہ تعالیٰ کی وحی سے تھا اور اس بات میں کسی قسم کی نکارت نہیں۔

٤) خودساختہ عقلی قرائن کا اصل جواب یہ ہے کہ صحیح حدیث کے بارے میں ہر قسم کے ڈھکوسلے مردود ہوتے ہیں۔

یہ کہنا کہ فلاں موقع پر کیوں حدیث پیش نہیں کی؟ تو اس طرح سے بہت سی صحیح احادیث کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً: سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے نبی ﷺ سے کہا: اگر میں آپ کو نہ پاؤں تو؟ مراد یہ ہے کہ اگر آپ فوت ہوگئے تو میں کس کے پاس (اپنے کام کے بارے میں) جاؤں گی؟

آپ نے فرمایا: "إن لم تجديني فأتي أبا بكر. " اگر تو مجھے نہ پائے تو ابوبکر کے پاس جانا۔ (صحیح البخاری: ۳۶۵۹، صحیح مسلم: ۲۳۸۶)

اس حدیث میں یہ اشارہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوں گے۔

اگر کوئی کہے کہ یہ حدیث موضوع ہے، اگر یہ صحیح ہوتی تو سقیفہ بنی ساعدہ کے موقع پر اسے کیوں پیش نہ کیا گیا؟ تو کیا اس عقلی ڈھکوسلے سے اس حدیث کو موضوع قرار دیا جائے گا؟!

اس طرح کے عقلی اعتراضات اہلِ حدیث کا منہج نہیں بلکہ اہل الرائے کا وطیرہ ہے۔

یزید بن معاویہ کے بادشاہ بننے سے بہت پہلے ۳۲ھ میں سیدنا ابوذر الغفاری رضی اللہ عنہ

وفات پا گئے تھے، جبکہ اس وقت یزید پیدا بھی نہیں ہوا تھا۔

کیا سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ اپنی وفات کے بعد ساٹھ ہجری میں دوبارہ زندہ ہو گئے تھے کہ یزید کے دربار میں یہ حدیث سناتے ؟

ابومسلم الجذمی کا بھی دربارِ یزید میں حاضر ہونا کسی سند سے ثابت نہیں اور کیا یہ ضروری ہے کہ ہر صحیح حدیث ہر متعلقہ موقع پر ضرور بیان کی گئی ہو؟

۵) ایک حدیث میں آیا ہے کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں نے رسول اللہ سے دو برتن یاد کئے، ایک تو پھیلا دیا اور اگر دوسرا پھیلاؤں تو میرا حلق کاٹ دیا جائے۔ (صحیح بخاری:۱۲۰)

اس حدیث سے باطنیہ کسی علم لدنی وغیرہ اباطیل پر استدلال کرتے ہیں، جبکہ حافظ ابن حجر نے علماء سے نقل کیا کہ اس سے مراد بُرے حکمرانوں کے نام، احوال اور زمانہ ہے۔

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے: "و قد كان أبو هريرة يكني عن بعضه ولا يصرح به خوفًا علٰى نفسه منهم " ابوہریرہ (رضی اللہ عنہ) بعض کے بارے میں اشارہ کرتے تھے اور اپنی جان کے خوف کے وجہ سے صراحت نہیں کرتے تھے۔

حافظ صاحب نے مزید لکھا ہے: " كقوله أعوذ بالله من رأس الستين وإمارة الصبيان يشير إلٰى خلافة يزيد بن معاوية لأنها كانت سنة ستين من الهجرة و استجاب الله دعاء أبي هريرة فمات قبلها بسنه..." جس طرح کہ اُن (ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ) کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! میں ساٹھ (ہجری) کے شروع اور لونڈوں کی حکمرانی سے پناہ چاہتا ہوں۔ وہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف اشارہ کر رہے تھے کیونکہ وہ ساٹھ ہجری میں تھی اور اللہ تعالیٰ نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) کی دعا قبول فرمائی اور آپ اس سے ایک سال پہلے فوت ہو گئے۔ (فتح الباری ج۱ ص۲۱۶)

اس حدیث کا مذاق اڑاتے ہوئے معترض نے جو کچھ لکھا ہے ہم اس کا معاملہ اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔